بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نقشِ آغاز

یکم جنوری ۱۹۷۸ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے اپنی ایک نہایت اہم پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کو اختیار دے دیا گیا ہے۔ کہ وہ قرآن و سنت کے منافی کسی قانون کو کالعدم قرار دے سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وزارت قانون اس وقت تمام مروجہ قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کیلئے جائزہ لے رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملکی قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کے علاوہ معیشت، تعلیم اور معاشرت جیسے شعبوں کو بھی اسلامی شکل دی جائیگی۔ اس پریس کانفرنس میں جنرل صاحب نے مدارس دینیہ کے نصاب تعلیم کے بارہ میں بھی اظہار خیال فرمایا۔ اور کہا کہ دینی مدارس کو حکومت قومی تحویل میں لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ مگر ان کی سرپرستی اور مدد حکومت کی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے آگے چل کر مزید ارشاد فرمایا۔ کہ دینی مدارس کو صرف ملاؤں تک محدود نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ علماء کو ان مدارس کا نصاب تبدیل کر کے اسے موجودہ دور کی ضروریات کے مطابق بنانا چاہیئے۔ اور طلباء کو سائنس تاریخ جغرافیہ اور دوسرے علوم پڑھائے جائیں۔ جنرل صاحب کی تیسری غور طلب بات یہ تھی کہ حکومت زکوٰۃ اور عشر کے نظام نافذ کرنے پر بھی غور کر رہی ہے۔ (نوائے وقت - ۲ جنوری ۱۹۷۸ء)

جنرل صاحب نے زمام اقتدار سنبھالتے ہی ملک کی اصلاح اور بقاء کیلئے اسلامی نظام حیات اور اہم اسلامی تبدیلیوں کی ضرورت کا بار بار اعلان فرمایا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ان کے بعض اقدامات قابل تحسین ہیں۔ اعلیٰ عدالتوں کو قرآن و سنت کے منافی قوانین کو کالعدم قرار دینے کا اختیار دیدینے کا موجودہ فیصلہ بھی نہایت دوررس

اور مؤثر نتائج کا حامل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اب تک ہر حکومت نے زبانی حد تک اسلامی قانون سازی کی ضرورت کا اظہار کیا۔ تحقیقاتی اور مشاورتی ادارے اور کونسل بھی قائم ہوئے۔ آئین کی دفعہ ۲۲۷ میں بھی اعلان کیا گیا۔ کہ تمام قوانین کو کتاب وسنت کے سانچے میں ڈھالا جائے گا۔ مگر جیسا کہ معلوم ہے عملی میدان میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ اور ایسے سارے دعاوی محض نمائشی اور لفاظی کا ذریعہ بنائے گئے تھے۔ اعلیٰ عدالتیں اس سلسلہ میں بے بس رہیں اور کوئی دردمند شخص کچھ کرنا بھی چاہتا تو وہ مجبور تھا۔

موجودہ حکومت نے اس فیصلہ کی شکل میں اسلامی قانون سازی کے بارہ میں عملاً ایک قدم تو اٹھایا جس پر جنرل صاحب موصوف ملت مسلمہ کی طرف سے یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مگر ملک کی اعلیٰ عدالتیں اس فیصلہ کو کس طرح عملی جامہ پہنا سکیں گی۔؟ تادم تحریر اس کا طریق کار واضح نہیں ہو سکا۔ موجودہ شکل میں یہ فیصلہ اگر ایک طرف خوش آئند ہے۔ تو دوسری طرف اسلامی قانون سازی اور قانون پر عملدرآمد کا کام نہایت افراتفری کا شکار ہو کر رہ سکتا ہے جس کی طرف ایک ریٹائرڈ چیف جسٹس نے بھی اپنے بیان میں اشارہ کیا ہے کہ کس قانون کے بارہ میں کہ آیا یہ اسلامی ہے۔ یا غیر اسلامی؟ اور یہ کہ قرآن وسنت کے کون سے تقاضوں کی بنیاد پر اسے اسلامی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور کونسی اسلامی اور فقہی شرائط اسے اسلامی بنا سکتی ہیں۔؟ اور اگر کسی اعلیٰ عدالت میں کسی وکیل نے اعتراضات اٹھائے اور ان قوانین کا سہارا لیا۔ جو اینگلو محمڈن لاء کے نام سے اس ملک میں برطانوی دور سے مسلم لاء کے نام پر رائج ہیں۔؟ تو عملدرآمد کے موجودہ مبہم اور غیر واضح صورتحال ہیں۔ ان سوالات کا جواب کیا ہوگا۔ پھر یہ بات بھی قطعی طور پر واضح ہے۔ کہ کسی بھی کام کو حسن وخوبی

سے انجام دینے کیلئے فنی اہلیت اور استعداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ کوئی جج یا وکیل کسی مقدمہ میں انصاف کے تقاضے تب پورا کر سکتا ہے۔ کہ اسے مروجہ عدالتی نظام اور قوانین پر عبور حاصل ہو۔ ٹھیک اس طرح کسی قانون کا اسلامی یا غیر اسلامی تشخص کرنا اور اسے اسلامی سانچہ میں ڈھالنا بھی قرآن و سنت اور شریعت اسلامیہ کے تمام مآخذ پر مکمل عبور فقہی مہارت اور اہلیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے انگریزی دان طبقہ میں ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی ہے۔ جو اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ یا ان میں سے کسی ایک مآخذ یا اسلامی اقدار اور اسلامی تعزیرات و حدود کے بارہ میں ارتیاب و تذبذب اور غیر یقینی کیفیت کا شکار ہے کسی کا دل و دماغ اب تک یہ اٹل حقیقت تسلیم نہیں کر سکا۔ کہ اسلام میں موجودہ دور کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔؟ کسی کو حدیث کی تشریعی حیثیت پر اطمینان نہیں اور بعض اذہان بدقسمتی سے اب بھی ایسے موجود ہیں۔ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا آخری تشریعی نبی تسلیم نہیں کرتے؟ کسی کا ذہن اسلام کے ساتھ سوشلزم، کمیونزم، امپیریل ازم یا اپنے خود ساختہ دیگر مزعومات کا لیبل چسپاں کئے بغیر اسلام کی ابدیت اور جامعیت تسلیم کرنے کا روادار نہیں۔؟ اس بناء پر مجوزہ اقدام (عدالتوں کو اختیار دینے) کے ساتھ ساتھ کسی ایسے واضح اور مؤثر طریق کار کا اعلان بھی کیا جائے جس سے ان خدشات کا قلع قمع ہو سکے۔ اور اسلامی قانون سازی کا کام انتشار اور افراتفری کا شکار ہوئے بغیر تیزی سے تکمیل پذیر ہو سکے۔

اس سلسلہ میں بعض حضرات کی طرف سے ہر عدالت میں اس وقت تک ایک مفتی کے تقرر کا مطالبہ سامنے آچکا ہے جب تک اعلیٰ عدالتوں کے وکلاء اور جج صاحبان فقہ سے پوری واقفیت حاصل نہ کریں۔ پاکستان قومی اتحاد کے صدر اور

جمعیۃ العلماء اسلام کے سربراہ مولانا مفتی محمود صاحب نے بھی مطالبہ کیا ہے۔ کہ نہ صرف اعلیٰ عدالتوں بلکہ ملک کی تمام عدلیہ میں سول عدالت سے لیکر اعلیٰ عدالت تک فقہ اسلامی کے ماہرین کا تقرر کیا جائے یہ سنا ہے کہ موجودہ اسلامی مشاورتی کونسل بھی اس سلسلہ میں تجاویز مرتب کر رہی ہے۔ حالانکہ عدلیہ کی رہنمائی کیلئے اس عظیم اور نازک کام میں مدد دینے کیلئے کوئی موثر تجویز زیر عمل آجاتی ہے۔ تاکہ جلد از جلد اسلامی قوانین کی ترویج ہو سکے۔ ہمارے ناقص خیال میں اس کام کے تحفظ اور عملی اجراء کیلئے کسی ایک فقیہ یا مفتی کا تقرر کافی نہیں۔ جبکہ اس وقت کوئی عدالت کسی بھی مفتی کے فتووں اور کسی بھی مشاورتی کونسل کے مشوروں کی اپنے آپ کو پابند نہیں سمجھتی۔ بلکہ حکومت کو چاہیئے۔ کہ ملک کی اعلیٰ عدالتوں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں میں اس مقصد کیلئے فقہ اسلامی پر مکمل عبور رکھنے والے ماہر فقہاء اور قرآن و سنت اور اس کے متعلقہ علوم کے جیّد علماء پر مشتمل سپیشل بنچ تشکیل دے ان خصوصی بنچوں میں شامل ارکان کسی بھی عدالت کے ججوں سے کم حیثیت نہ رکھتے ہوں۔ اور اعلیٰ عدالتیں ان خصوصی بنچوں کے تعاون اور رہنمائی سے تمام قوانین کا جائزہ لیکر منافی اسلام قوانین کو کالعدم قرار دیں اس طرح اعلیٰ عدالتوں کے کام میں بھی آسانی آجائے گی۔ جبکہ موجودہ شکل میں کسی ایک قانون کا جائزہ لینے کیلئے مدّت درکار ہوگی۔ غالباً ۱۹۵۳ء میں ۳۳ ہر مکتب فکر کے جیّد علماء نے جو دستوری خاکہ متفقہ طور پر پیش کیا تھا۔ اس میں بھی اعلیٰ عدالتوں کو ایسے اختیارات کے ساتھ ساتھ قرآن و سنّت کے ماہرین پر مبنی خصوصی بنچوں کی تشکیل کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا۔ اب جبکہ ہماری موجودہ حکومت نے اس تاریخی اور اہم کام کو انجام دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ تو انہیں ان سارے تقاضوں اور دور اندیشیوں کو ملحوظ رکھ کر ایسا واضح اور موثر طریق کار وضع کرنا چاہیئے جو حقیقی معنوں میں ملک کو غیر اسلامی قوانین سے نجات دلادے۔

در ملک میں قوانین و تعزیرات شرعیہ کا اجرا عمل میں آسکے۔ اس سلسلہ میں عدلیہ میں اسلامی قوانین کے نفاذ کو جلد عملی شکل دینے کی صورتوں کے بارے میں اگر ماہرینِ قانون اور ماہرینِ شریعت اسلامیہ کا ایک اجلاس بلایا جائے تو اور بھی بہتر ہوگا۔ بدقسمتی سے سالہا سال سے اس مقصد کیلئے قائم اسلامی مشاورتی کونسلوں نے بھی اس سلسلہ میں کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام نہیں دیا نہ قانون کی وزارتوں نے، جو آئینی اعلیٰ عدالتوں کے لئے ممد و معاون بن سکے۔

موجودہ اسلامی کونسل پر عوام کا اعتماد ہے۔ مگر عملاً کونسل کے فیصلے بھی مشوروں تک محدود ہیں۔ اور کوئی بھی ہیئتِ حاکمہ یا عدالت انہیں تسلیم کرنے کی قانوناً پابند نہیں۔ مذکورہ انقلابی اقدام کیلئے ضروری ہے۔ کہ کونسل کے فیصلوں کو آئینی تحفظ دیا جائے۔ اور کونسل کے ساتھ ساتھ وزارتِ قانون کو بھی کسی مقررہ وقت کا پابند بنادیا جائے۔ جو اس میعاد کے اندر اندر تمام قوانین کو اسلامی بنانے کی تجاویز اور رپورٹ پیش کرے۔

جہاں تک مدارسِ عربیہ کے نصاب کے بارہ میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے تاثرات کا تعلق ہے۔ تو ہمیں افسوس ہے۔ کہ ان کے ریمارکس سے مدارسِ عربیہ اور علومِ دینیہ سے وابستہ حضرات نے کچھ خوشگوار تاثر نہیں لیا۔ "ملاؤں" کی پھبتی جنرل صاحب موصوف کی کس بدنیتی اور سوءِ فہمی کی شاہکار اگرچہ نہیں۔ مگر اتنا کہا جاسکتا ہے۔ کہ موجودہ نصاب اور مدارسِ دینیہ کے بارہ میں ان کے احساسات وقت کے عام پروپیگنڈے کا شکار ہیں۔ اور تصویر کا مکمل رخ ان کے سامنے نہیں۔ مدارسِ دینیہ کا بنیادی مقصد دینِ متین کے تحفظ اور اس کے فروغ و اشاعت ہے۔

یہاں سے فارغ ہونے والوں کا مقصد بنیادی طور پر قرآن و حدیث اور اسلامی علوم پر دسترس حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ سر پھرے زندگی کے تمام لمحات میں ملت اسلامیہ کے تحفظ، بقاء اور صلاح و فلاح کو اولین و آخرین مقصد سمجھتے ہیں۔ اسلامی نظام حیات کے لئے ان کی قربانیوں سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ان قربانیوں ہی کی بدولت جنرل صاحب کو ملک و ملت کی بقاء کیلئے تاریخی رول ادا کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اگر انہیں ملا کہہ کر قرآن و سنت اور ان سے متعلقہ علوم کے عظیم اور ضخیم بار گراں کے ساتھ عصر حاضر کے تمام مروجہ علوم کا بھی زیر بار کیا جائے تو غالباً یہ لوگ کسی بھی ایک کام کا بوجھ نہ سنبھال سکیں۔ مدارس دینیہ کے نصاب میں مفید انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت کا احساس جتنا بھی صحیح کیوں نہ ہو۔ مگر قدیم و جدید کی اس دوئی کو ختم کرنے کیلئے سب سے پہلے ملک کے ان لاکھوں نوجوانوں کی طرف توجہ دی جائے جو سکولوں کالجوں یونیورسٹیوں میں عمر عزیز کا ایک اہم حصہ گنوا کر بھی اپنے دین اپنے ورثہ اپنی تہذیب اور ثقافت اسلامی کے بارہ میں عموماً صفر ہوتے ہیں۔ انکی اسلامی تہذیب و ثقافت اور ان کے نظام و نصاب تعلیم میں اسلامی انقلاب کے بعد ہی اس ملک کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

جنرل صاحب! ہماری یہ خواہش ہے۔ کہ یہ اربوں روپے لٹانے والے تعلیمی ادارے ملک کیلئے "مسٹروں اور دیسی انگریزوں" کے دساور کرنے کی فیکٹریاں نہ ہوں۔ بلکہ اس سے ایسے لوگ نکلیں جو سب کچھ ہونے کے ساتھ ساتھ عالم اور مومن بھی ہوں۔ اور جو آپ کے حسین اسلامی انقلاب کے اقدامات کو جلد از جلد کامیابی سے ہمکنار کر سکیں۔ "ملا" بیچارہ کے دعوات نیم شبانہ تو اب بھی اسلامی انقلاب کیلئے آپ کے ساتھ ہیں۔

سمیع الحق

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل